تدبّرِ قرآن

۷۸

النّبا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ـــــ المرسلٰت ـــــ کی توام سورہ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ جس طرح اس میں آفاقی، تاریخی اور انفسی دلائل سے یہ حقیقت ثابت کی گئی ہے کہ اس دنیا کے بامقصد و باغایت ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ ایک دن ختم ہو اور اس کے بعد ایک ایسا فیصلہ کا دن آئے جس میں نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا صلہ ملے اور جو مجرم ہوں وہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں اسی طرح اس سورہ میں بھی ایک یوم الفصل کا اثبات فرمایا ہے جس میں خدا کے باغی اپنی سرکشی کی سزا بھگتیں گے اور خداترس اپنی خداترسی کا انعام پائیں گے۔ استدلال اس میں خدا کی ربوبیت کے آثار و شواہد سے ہے جس سے آسمان و زمین کا چپہ چپہ معمور ہے۔

لب و لہجہ دونوں سورتوں کا بالکل ایک ہی ہے۔ کلام استفہامِ اقراری کے انداز میں شروع ہوا ہے جو ان متکبرین و مکذّبین کو خطاب کرنے کے لیے مخصوص ہے جو بالکل بدیہی حقائق کو جھٹلانے کے درپے ہوں۔ دلائل کے پہلو بہ پہلو زجر و ملامت اور تہدید و توبیخ ہر آیت میں نمایاں ہے۔ اہل ایمان کے لیے جو بشارت ہے وہ بھی گویا ان مکذّبین کی تہدید ہی کے پہلو سے آئی ہے کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے انجامِ بد کا موازنہ کر لیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۱-۵) منکرینِ قیامت کی ان چہ میگوئیوں پر زجر و توبیخ جو قیامت کا ذکر سن کر نہایت سفیہانہ انداز میں وہ آپس میں کرتے۔ ان کو آگاہی کہ یہ خبر وہ خبر ہے کہ ان کے اندر عقل کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو اس کی فکر ان کو راتوں کی نیند سے محروم کر دیتی چہ جائیکہ وہ اس کا مذاق اڑائیں۔

(۶-۱۷) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، رحمت، حکمت اور قدرت کی ان نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت جو زمین سے لے کر آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں اور جو شہادت دے رہی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس

دنیا میں مطلق العنان اور غیر مسئول بنا کر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کی عدالت کے لیے ایک دن مقرر ہے جو لازماً آ کے رہے گا۔

(۱۸-۳۰) ہولِ قیامت اور سرکشوں کے انجام کی تصویر، جس میں دکھایا ہے کہ اس دنیا کی کوئی چیز بھی اٹل یا خدا کے کنٹرول سے باہر نہیں ہے بلکہ ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے۔ جب وہ چاہے گا ایسا صور پھونکے گا کہ سب قبروں سے نکل کر فوج در فوج اس کی طرف چل پڑیں گے۔ آسمان، زمین، دریا اور پہاڑ سب متزلزل، پراگندہ اور منتشر ہو جائیں گے۔ جہنم اس دن گھات میں ہوگی۔ وہی تمام سرکشوں کا ٹھکانا بنے گی۔ اس میں دکھ کی ساری چیزیں جمع ہوں گی لیکن لذت و راحت کا کوئی نشان بھی نہ ہوگا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا اور ہر شخص کا ہر عمل رجسٹر میں لکھا ہوا موجود ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ جو انجام تمھارے سامنے آیا ہے وہ تمھارے اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اب اس کا مزا چکھو۔

(۳۱-۳۶) اس دن خدا ترسوں کو جو صلہ ملے گا اس کی طرف اشارہ کہ وہ اپنے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کے صلہ سے بھی محروم نہیں رہیں گے بلکہ اپنی ہر نیکی کا اجر پائیں گے۔ حق کی خاطر انھوں نے مخالفین کے جو چرکے اور طعنے سہے ان سب کا ان کو اجر ملے گا اور ان کو ایسی پاکیزہ سوسائٹی نصیب ہوگی جس میں ان لغویات کا کوئی مذکور نہیں ہوگا جن سے ان کو دنیا میں سابقہ رہا۔

(۳۷-۴۰) ان لوگوں کو تنبیہ جو باطل شفاعت کے بل پر اس دن کی ہولناکیوں سے نچنت ہیں۔ ان کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ یہ دن آ کر رہے گا تو جو اپنے رب کی پناہ کا طالب ہے وہ اس کی راہ اختیار کرے۔ اللہ کے ہاں کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی کے لیے سفارش کا مجاز نہیں ہوگا اور اجازت کے بعد جو زبان کھولے گا وہ بالکل سچی بات کہے گا، کسی غلط بیانی کی جرأت کوئی نہیں کر سکے گا۔ اس دن ہر ایک کو اس کے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا اور کافروں کے پلے حسرت کے سوا کچھ پڑنے والا نہیں ہے۔

سُوْرَةُ النَّبَا

مَكِّيَّةٌ ——— اٰیات: ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات ۱-۳۰
عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ (۱) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ (۲) الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ (۳) كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (۴) ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (۵) اَلَمْ
نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (۶) وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (۷) وَّخَلَقْنٰكُمْ
اَزْوَاجًا (۸) وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (۹) وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا (۱۰)
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۱) وَّبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۱۲)
وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (۱۳) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً
ثَجَّاجًا (۱۴) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا (۱۵) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (۱۶)
اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا (۱۷) یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ
اَفْوَاجًا (۱۸) وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (۱۹) وَّسُیِّرَتِ الْجِبَالُ
فَكَانَتْ سَرَابًا (۲۰) اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (۲۱) لِّلطّٰغِیْنَ
مَاٰبًا (۲۲) لّٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا (۲۳) لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا
شَرَابًا (۲۴) اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا (۲۵) جَزَآءً وِّفَاقًا (۲۶) اِنَّهُمْ
كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا (۲۷) وَّكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا (۲۸) وَّكُلَّ

شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ ع ۲۰ ۱
اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾
وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً
مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾
ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ
اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ
وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۲

ترجمۂ آیات ۱-۴۰

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں جس میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے کوئی کچھ! ہرگز نہیں، وہ عنقریب جان لیں گے، پھر ہرگز نہیں، وہ جلد جان لیں گے!! ۱-۵

کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ تم کو جوڑے جوڑے نہیں پیدا کیا؟ تمھاری نیند کو دافعِ کلفت نہیں بنایا؟ رات کو تمھارے لیے پردہ اور دن کو وقتِ معاش نہیں بنایا؟ تمھارے اوپر سات محکم آسمان نہیں بنائے اور اس کے اندر ایک روشن چراغ نہیں رکھا؟ اور کیا ہم نے پانی سے لبریز بدلیوں سے موسلا دھار پانی نہیں برسایا کہ اس کے ذریعہ سے اگائیں غلہ اور نباتات اور گھنے باغ؟ ـــــ بے شک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے! ۶-۱۷

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم آؤگے فوج در فوج اور آسمان کھولا جائے گا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے تو وہ بالکل سراب بن کر رہ جائیں گے۔ بے شک جہنم گھات میں ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانا۔ اس میں رہیں گے مدتہائے دراز۔ نہ اس میں کوئی ٹھنڈک نصیب ہوگی، نہ گرم پانی اور پیپ کے سوا کوئی پینے کی چیز۔ بدلہ ان کے عمل کے موافق۔ یہ لوگ محاسبہ کا گمان نہیں رکھتے تھے اور انھوں نے ہماری آیتوں کی بے دریغ تکذیب کی اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔ تو چکھو، اب تمھارے عذاب ہی میں ہم اضافہ کریں گے۔ ۱۸ - ۳۰

بے شک خدا ترسوں کے لیے فائز المرامی ہے۔ باغ اور انگور، اٹھتی جوانیوں والی ہم سنیں، اور چھلکتے جام۔ نہ اس میں بک بک سنیں گے نہ بہتان طرازی۔ یہ تیرے رب کی طرف سے صلہ ہوگا بالکل ان کے عمل کے حساب سے۔

آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین کی ساری چیزوں کے ربّ رحمان کی طرف سے جس کی طرف سے یہ کوئی بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے۔ جس دن جبریل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو ربِّ رحمان اجازت دے اور وہ بالکل ٹھیک بات کہے گا۔ یہ دن شدنی ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے۔ ہم نے تم کو ایک قریب آجانے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے، جس دن آدمی اپنی اس کمائی کو دیکھے گا جو اس نے آگے کے لیے کی ہوگی اور کافر کہے گا کاش، میں مٹی ہوتا! ۳۷ - ۴۰

الفاظ واسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (۱)

'عَمَّ' دراصل ہے 'عَنْ مَا' لیکن عام استعمال میں جس طرح بعض حروف کی آواز دب جاتی ہے اسی طرح 'عَمَّا' سے بھی 'الف' ساقط ہو گیا ہے اور یہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔

منکرینِ قیامت کا استہزاء

'تَسَاءُلُ' کے معنی آپس میں کسی چیز سے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے ہیں۔ پوچھ گچھ دریافتِ حال اور تحقیق کے لیے بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات محض سخن گستری اور استہزا کے لیے بھی۔ یہاں یہ استہزاء کے مفہوم میں ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جب انذارِ قیامت پر مشتمل سورتیں سنائیں تو لب ولہجہ کی حرارت، اندازِ بیان کی سطوت وہیبت اور دلائل کی قطعیت نے ان کا چرچا بہت جلد ہر حلقہ میں پھیلا دیا۔ قریش نے اپنے عوام کو اس کے اثر سے بچانے کے لیے جہاں بہت سی احمقانہ تدبیریں اختیار کیں وہاں یہ اوچھی تدبیر بھی اختیار کی کہ اپنی مجالس میں اس کو اپنے مذاق اور طبع آزمائی کا موضوع بنایا تاکہ لوگوں پر یہ اثر ڈالیں کہ یہ چیز کسی سنجیدہ غور وفکر کے لائق نہیں ہے بلکہ محض خیالی ہوّا ہے جس سے متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ جب لوگ مر کر سڑ گل جائیں گے تو وہ از سرِ نو زندہ کیے جائیں! بعض نے اس پر گرہ لگائی کہ کیا بھلا ہمارے اگلے بھی اٹھائے جائیں گے جو نہیں معلوم کب پیوندِ زمین ہوئے اور ان کی قبروں کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا! تیسرے نے پرزور لہجہ میں اس کی تائید کی کہ ناممکن، ناممکن، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ سب محض خیالی باتیں ہیں۔

دوزخ اور اس کی آگ کا یوں مذاق اڑاتے کہ خوب ہو گی وہ آگ جس میں پانی بھی ہو گا اور درخت بھی! دوسرا اس نکتہ پر اس کو داد دیتا کہ بھلا یہ باتیں کسی کی عقل میں سمانے والی ہیں۔

جب قرآن نے ان کو آگاہ کیا کہ دوزخ پر انیس سرہنگ مامور ہوں گے تو اس کو انھوں نے اپنی طبع آزمائی کا موضوع بنا لیا۔ کوئی بولا کہ اگر اتنے ہی ہوں گے تو ان میں سے آتنوں سے تو میں تنہا نمٹ لینے کے لیے کافی ہوں۔ دوسرے نے ڈینگ ہانکی کہ پھر کوئی اندیشہ کی بات نہیں ہے، باقی سے نمٹنے کے لیے میں کمزور نہیں ہوں!

غرض قیامت اور اس کے احوال سے متعلق جو باتیں بھی ان کو سنائی گئیں ان سے سبق لینے کے بجائے انھوں نے ان کو مذاق میں اڑا دینے کی کوشش کی تاکہ ان کے عوام ان سے متاثر نہ ہونے پائیں۔

ان کی اسی طرح کی باتوں کو یہاں 'تساءل' سے تعبیر فرمایا ہے اور نہایت تیز و تند انداز میں پوچھا ہے کہ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔

اس سوال سے اس سورہ کا آغاز اس کے مزاج کا پتہ دے رہا ہے کہ اس میں ان کو بتایا جائے گا کہ جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہ مذاق اڑانے اور ہنسی دل لگی کی چیز نہیں بلکہ وہ سوچیں تو ان کے لیے سر پیٹنے اور خون کے آنسو بہانے کی چیز ہے۔

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۙ الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ (۲-۳)

زبان کا ایک اسلوب

'نبا' کسی بڑے واقعہ یا اہم خبر کو کہتے ہیں۔ اس آیت سے پہلے اگرچہ حرف استفہام لفظاً مذکور نہیں ہے لیکن معناً یہ بھی اسی استفہام کے تحت ہے جو پہلے آیا ہے۔ اس کی نہایت واضح مثال سورۂ انشراح میں موجود ہے، فرمایا ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ (الانشراح ۹۴: ۱-۲) (کیا ہم نے تمھارے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تمھارے بوجھ کو اتار نہیں دیا؟) یہاں 'وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ' کا ٹکڑا دیکھیے لفظاً استفہام کے تحت نہیں ہے بلکہ بالکل سادہ خبریہ اسلوب میں ہے لیکن معناً یہ اسی کے تحت ہے۔ اس کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔ اس سورہ میں بھی آگے اس کی مثالیں آ رہی ہیں۔ مترجمین عام طور پر اس اسلوب زبان سے ناآشنا ہیں اس وجہ سے وہ اس طرح کے انشائیہ جملوں کا ترجمہ خبریہ اسلوب میں کر دیتے ہیں جس سے کلام کا اصل زور واضح نہیں ہوتا اس لیے کہ انشاء اور خبر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ اس بے دردی اور جسارت سے اس عظیم خبر کا مذاق اڑا رہے ہیں جو قیامت اور روز جزا و سزا سے متعلق ان کو سنائی جا رہی ہے؟ یہ خبر تو ایسی ہے کہ حق تھا کہ اس کی فکر خواب و خور کی لذت سے ان کو محروم کر دیتی لیکن یہ ایسے شامت زدہ ہیں کہ اس سے ڈرنے اور اس کے لیے تیاری کرنے کے بجائے اس کو اپنے طنز و مذاق کا موضوع بنائے ہوئے ہیں۔

منکرین قیامت کا تناقض فکر

'اَلَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ'۔ لفظ 'اختلاف' بیک وقت دو معنوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک اختلاف رائے کو دوسرے تناقض فکر کو اور یہ دونوں معانی غور کیجیے تو معلوم ہو گا لازم و ملزوم ہیں۔ اختلاف رائے تناقض فکر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ مشرکین عرب سے متعلق ہم جگہ جگہ اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ قیامت کے باب میں وہ نہایت شدید قسم کے تناقض فکر میں مبتلا تھے۔[1] ایک گروہ ان کے اندر اس کا کھلم کھلا انکار کرتا تھا اور دوسرا جس کی تعداد زیادہ تھی، صریح انکار کے بجائے اس پر مختلف قسم کے شبہات وارد کرتا تھا۔ ان کا گمان تھا کہ اول تو اس کا ہونا ہی بہت مستبعد اور بعید از قیاس ہے

---

[1] مثلاً ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ نمل (۲۷)، آیت ۶۶

اور ہوئی بھی تو اس کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارا لوٹنا ہمارے دیوتاؤں کی طرف ہوگا جو ہمیں خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے اور اگر خدا سے سابقہ پڑا بھی تو اتنی بے شمار مخلوق کے سارے اعمال و اقوال کو کون جان سکتا ہے کہ وہ ان کا حساب کرنے بیٹھے۔ یہ اس خبط میں بھی مبتلا تھے کہ جب اس دنیا میں ان کا حال اچھا ہے جو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی نظروں میں اچھے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو عزت و سرفرازی اس نے ان کو اس دنیا میں دے رکھی ہے قیامت میں ان کو اس سے محروم کر دے۔

ان غلط خیالات کے ساتھ ساتھ وہ بہت سے ایسے صحیح عقائد کا اقرار بھی کرتے تھے جن سے ان باطل خیالات کی نفی ہوتی تھی لیکن قیامت اور جزا و سزا کو ماننا ان کی خواہش کے خلاف تھا اس وجہ سے وہ قرآن کی بار بار کی تذکیر کے بعد بھی اپنے فکری تناقض کا جائزہ لینے اور اس کو دور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے حالانکہ عقل اور فطرت کا یہ بدیہی تقاضا ہے کہ انسان کو زندگی کے کسی ایسے معاملے میں اگر ذہنی یکسوئی حاصل نہ ہو جس میں اس کی ابدی فلاح یا ابدی ہلاکت کا راز مضمر ہے تو ان لوگوں کی بات توجہ سے سنے جو اس کے تضادِ فکر سے اس کو آگاہ کر رہے ہوں تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے۔ یہ درحقیقت اس کی اپنی ضرورت ہے نہ کہ یاد دہانی کرنے والوں کی۔ قرآن نے یہاں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن ان کو جس عظیم واقعہ کی خبر دے رہا ہے اس کے بارے میں ان کا فکری تناقض اور کسی ذہنی الجھن میں مبتلا رہنا کسی طرح ان کے لیے خوش انجام نہیں ہے۔ یہ ابدی ہلاکت یا ابدی سعادت کا معاملہ ہے۔ قرآن کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس تضاد و اختلاف سے نکلنے کی ان کو راہ دکھائی ہے۔ حق تھا کہ وہ اس کی قدر کرتے لیکن انھوں نے اپنی بدبختی سے اس کو تفریحِ طبع کا موضوع بنا لیا ہے۔

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (۴-۵)

منکرین کو تنبیہ

یہ نہایت زوردار الفاظ میں ان کو تنبیہ ہے کہ جو لذیذ خواب وہ دیکھ رہے ہیں یہ ہرگز پورے ہونے والے نہیں ہیں۔ قرآن جس انجام سے ان کو آگاہ کر رہا ہے وہ عنقریب ان کے سامنے آ کے رہے گا۔ یہاں جملہ کی تکرار محض دعوے کو مؤکد کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ بیانِ حقیقت کے لیے ہے۔ اللہ کے رسولوں نے، جیسا کہ ہم ایک سے زیادہ مقامات میں لکھ چکے ہیں، اپنی قوموں کو بیک وقت دو عذابوں سے ڈرایا ہے۔ اول اس عذاب سے جو سنتِ الٰہی کے مطابق ہر اس قوم پر لازماً آیا ہے جس نے رسول کی تکذیب کر دی ہے۔ دوسرے اس عذاب سے جس میں وہ قیامت کے دن مبتلا ہوگی۔ ان دونوں عذابوں کو سامنے رکھ کر اس تنبیہی کلمہ کو دو بار دہرایا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ

سُبَاتًا ۙ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۠ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا
شِدَادًا ۙ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۠ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ
لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ؕ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (۶-۱۷)

آثارِ ربوبیت سے استدلال

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ان آثار کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس کی قدرت، حکمت، رحمت، ربوبیت، توحید، قیامت اور ایک روزِ جزا و سزا کے لازمی ہونے پر ایسی واضح حجت ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ آخر میں یہ نتیجہ سامنے رکھ دیا ہے کہ 'اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا' جو شخص بھی ان نشانیوں پر غور کرے گا وہ اس اعتراف پر مجبور ہوگا کہ اس کے بعد ایک فیصلہ کا دن ضرور آئے گا اور اس کا وقت اس کائنات کے خالق کے نزدیک معیّن ہے۔

'اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا'۔ سب سے پہلے زمین اور اس کے پہاڑوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان اگر روزِ جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے تو کیا وہ ربوبیت کے اس اہتمام پر غور نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے، بغیر کسی استحقاق کے، کر رکھا ہے کہ زمین کو اس کے لیے گہوارے کی طرح قرار و سکون کی جگہ بنایا ہے اور اس میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونکی ہیں تاکہ یہ اپنی جگہ پر برقرار رہے، کوئی تزلزل اس میں نہ پیدا ہونے پائے۔

زمین کے اندر پہاڑوں کے لنگر انداز کرنے کی مختلف حکمتوں کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارے کیے ہیں۔ سابق سورہ میں بھی اس کی ایک عظیم مصلحت کی طرف اشارہ ہے۔ بعض مقامات میں اس کی یہ حکمت بھی بتائی ہے کہ زمین میں پہاڑ اس لیے گاڑے ہیں کہ وہ تمھارے سمیت کسی طرف لڑھک نہ جائے[1]۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اگر غور کرے تو یہ سمجھنے سے وہ قاصر نہیں رہے گا کہ جو رب اس زمین کے گہوارے میں اس اہتمام سے اس کی پرورش کر رہا ہے کس طرح ممکن ہے کہ وہ ایک ایسا دن نہ لائے جس میں ان لوگوں کو انعام دے جنھوں نے اس کی ربوبیت کا حق پہچانا اور اس کو ادا کیا ہو اور ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے اس کی ناشکری اور نافرمانی کی ہو۔ ربوبیت کے ساتھ مسئولیت لازمی ہے۔ ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کائنات کے خالق کے نزدیک شکر گزار اور ناشکر دونوں برابر ہیں۔ یہ ایسی بھونڈی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

'وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا'۔ اگرچہ اسلوبِ کلام باعتبارِ الفاظ خبریہ ہو گیا ہے لیکن معناً یہ 'اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا' ہی پر معطوف ہے۔ اس کی وضاحت اوپر آیت ۱-۲ کے تحت ہو چکی ہے۔

---

[1] وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (النحل - ۱۶ : ۱۵) (اور زمین میں اس نے پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے کہ مبادا وہ تمھارے سمیت لڑھک جائے)۔

یہ اشارہ ہے اس سب سے بڑے سامانِ تسلی کی طرف، جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں آدمی کے لیے مہیا کیا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے تمھیں تنہا نہیں پیدا کیا بلکہ تمھارے ساتھ تمھاری ہی جنس سے تمھارا جوڑا بھی بنایا تاکہ وہ تمھارے لیے طمانیت، اور سکینت کا ذریعہ بنے۔ یہ امر واضح رہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز جوڑا جوڑا بنائی ہے اور یہ جوڑے آپس میں ایسی گہری وابستگی رکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی تنہا اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا نہیں کر سکتا۔ ان میں بظاہر تو نسبت ضدین کی ہے لیکن قدرت نے ان کے اندر ایسے ظاہری و باطنی داعیات رکھے ہیں کہ وہ باہم مل کر رہنے ہی میں سکون و راحت پاتے اور ایک برتر مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت جس طرح اس دنیا کے تمام اضداد میں ہے اسی طرح میاں اور بیوی کے درمیان بھی ہے۔ اس چیز کی طرف قرآن نے سورۂ روم (۳۰) آیت ۲۱ میں یوں اشارہ فرمایا ہے: 'اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط' (اس نے تمھاری ہی جنس سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان اس نے محبت، اور غم گساری رکھی)۔ اضداد کے اندر اس توافق و سازگاری کو قرآن نے توحید اور قیامت کی دلیل کی حیثیت سے جگہ جگہ پیش کیا ہے جس کی وضاحت ہم برابر کرتے آ رہے ہیں۔

'وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا'۔ 'سبت' اور 'سبات' کے اصل معنی تو کاٹنے کے ہیں لیکن یہاں یہ دفعِ کلفت اور راحت و سکون کے معنی میں ہے۔ نیند کو 'سبات' اس وجہ سے کہا کہ یہ حرکت و عمل کے تسلسل کو منقطع کر کے کلفت سے نجات، دیتی اور راحت و سکون حاصل کرنے کا موقع بہم پہنچاتی ہے جس سے قویٰ تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

'وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا'۔ 'رات کو تمھارے لیے لباس بنایا'۔ رات کے لباس ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح لباس آدمی کو اپنے اندر چھپا لیتا اور سکون و اطمینان بخشتا ہے اسی طرح شب کی چادر بھی اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے جس سے وہ خلل انداز ہونے والی چیزوں سے محفوظ ہو کر سکون حاصل کرتا اور از سرِ نو میدانِ عمل میں اترنے کے لیے صلاحیت بہم پہنچاتا ہے۔

'وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا' 'اور دن کو حصولِ معاش کی سرگرمیوں کا وقت بنایا'۔

ان نشانیوں کی طرف توجہ دلانے سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص بھی ان پر غور کرے گا اس میں بصیرت ہو گی تو وہ لازماً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ رات اور دن نہ از خود چکر کر رہے ہیں اور نہ ان کا یہ چکر بالکل بے غایت و بے مقصد ہے بلکہ ایک حکیم و مدبر پروردگار اپنی خدمت کے لیے ان کو اس سرگرمی کے ساتھ مصروف کیے ہوئے ہے تاکہ لوگ ان کی خدمت سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے اس رب کے شکر گزار رہیں جس نے ان کی معاش و معیشت اور راحت و آسائش کے لیے یہ عظیم اہتمام فرمایا ہے۔

ساتھ ہی یاد رکھیں کہ ربوبیت کا یہ اہتمام مستلزم ہے کہ ایک ایسا دن بھی آئے جس میں وہ دیکھے کہ کس نے اس دنیا میں آنکھیں کھول کر زندگی گزاری اور کون اندھے بہرے بنے رہے اور پھر دونوں کے ساتھ ان کے رویے کے مطابق معاملہ کرے۔

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا: زمین کی نشانیوں کے بعد آسمان کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی، فرمایا اب اوپر دیکھو ہم نے تمہارے اوپر سات محکم آسمان بنائے۔ آسمان کا ذکر اگرچہ یہاں الفاظ میں نہیں ہے لیکن جو صفات مذکور ہیں وہ خود دلیل ہیں کہ مراد آسمان ہی ہے۔ 'شداد' سے مراد وہی بات ہے جو سورۂ ملک میں یوں فرمائی گئی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ	جس نے پیدا کیے سات آسمان تہ بہ تہ۔ تم خدائے
خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ	رحمان کی کاریگری میں کوئی خلل نہیں پا سکتے۔ تو نگاہ
هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ	دوڑاؤ کہیں اس میں کوئی شگاف دیکھتے ہو! پھر نگاہ
كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ	دوڑاؤ دوبارہ۔ نگاہ ناکام ہو کر تمہاری طرف پلٹ
هُوَ حَسِيْرٌ (الملک - ۶۷: ۳-۴)	آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ تم اس ناپیدا کنار چھت کو جہاں تک دیکھو گے اس کو محکم اور بالکل بے خلل پاؤ گے۔ کسی گوشے میں کسی ادنیٰ نقص کی بھی نشاندہی نہیں کر سکتے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا: اور آسمان میں ہم نے ایک روشن چراغ رکھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد سورج ہے۔ یہی سورج اس دنیا میں روشنی، حرارت اور قوت کا ذریعہ ہے۔ یہ نہ ہو تو یہ سارا عالم تیرہ و تار ہو جائے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ آسمان اور زمین میں الگ الگ دیوتاؤں کی حکمرانی نہیں ہے بلکہ دونوں میں ایک ہی خدائے قادر و قیوم کی حکومت ہے ورنہ ان میں یہ سازگاری کس طرح وجود میں آتی کہ آسمان کا سورج زمین والوں کی اس طرح خدمت گزاری کرتا۔

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا: 'مُعْصِرٰت' بادلوں کی صفت کے لیے معروف ہے۔ یہ صفت پانی سے لبریز بادلوں کے لیے بھی آتی ہے اور پانی نچوڑنے والی بدلیوں کے لیے بھی۔ دونوں صورتوں میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوگا۔

مَآءً ثَجَّاجًا: زوردار، کثیر اور موسلا دھار بارش کو کہتے ہیں۔

بارش سے قرآن نے اپنے تمام بنیادی دعاوی پر دلیل قائم کی ہے جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔ یہاں اگرچہ آسمان و زمین کے توافق کے پہلو سے توحید کی دلیل بھی اس میں موجود ہے لیکن خاص طور پر ربوبیت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے جو مسئولیت اور جزاء و سزا کی نہایت اہم دلیلوں میں سے ہے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ٥ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا: فرمایا کہ آسمانوں سے یہ بارش ہم اس لیے برساتے

ہیں کہ اس سے تمھارے لیے غلے اور تمھارے مویشیوں کے لیے گھاس اور سبزے اگائیں اور مزید برآں گھنے باغ۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا۔ یہ اوپر کی ساری بحث و تفصیل کا خلاصہ سامنے رکھ دیا ہے، کہ یہ اہتمام ربوبیت اور آسمان سے لے کر زمین تک یہ انتظام پرورش صاف گواہی دے رہا ہے کہ جس پروردگار نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ انسان کو غیر مسئول نہیں چھوڑے گا بلکہ لازماً ایک فیصلہ کا دن اس نے مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ سب کو جمع کر کے فیصلہ کرے گا کہ کس نے اس کی ربوبیت کا حق پہچانا اور کس نے اس کی ناقدری کی۔ پھر ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

یہاں یہ آیت اس طرح آئی ہے گویا یہ یوم الفصل اس کائنات کے نظام کے اندر سے خود اپنی منادی کر رہا ہے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس کو سن نہیں رہے ہیں۔ سعدیؒ نے کیا خوب بات کہی ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ... تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ وَّ
سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِیْنَ مَاٰبًا ۝
لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا ۝
جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَیْءٍ
اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (۱۸-۳۰)

قیامت کی ہلچل کی تصویر

اوپر کی آیات میں یوم الفصل کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب ان آیات میں اس ہلچل کی تصویر کھینچی گئی ہے جو اس دن اس پوری کائنات میں برپا ہوگی اور ساتھ ہی وہ انجام بھی سامنے رکھ دیا گیا ہے جس سے سرکشوں اور نافرمانوں کو سابقہ پیش آئے گا۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا۔ فرمایا کہ اس یوم الفصل کے لیے اللہ تعالیٰ تمھیں جمع کرنا چاہے گا تو اس کام میں اس کو ذرا بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ بس ایک صور پھونکا جائے گا اور تم فوج در فوج قبروں سے نکل کر اللہ کے داعی کی طرف چل کھڑے ہوگے۔ دوسرے مقام میں یہ تصریح بھی ہے کہ لوگ قبروں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح ٹڈیاں نکلتی ہیں اور داعی کی طرف اس طرح بھاگیں گے کہ ذرا بھی راہ سے منحرف نہیں ہوں گے۔

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا۔ اور یہ آسمان جو آج نہایت محکم اور ایک گنبد بے در کی شکل میں نظر آتا ہے، اس دن اس طرح کھول دیا جائے گا کہ اس میں ہر طرف دروازے ہی دروازے نظر آئیں گے۔

وَسُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ اور یہ پہاڑ جو آج زمین میں گڑے ہوئے ہیں اس دن اکھاڑ کر چلا دیے جائیں گے نیز آج وہ ٹھوس پتھر ہیں لیکن اس دن یہ ریت کے تودوں کی طرح پھس پھسے ہو جائیں گے۔

اِنَّ جَھَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا : اس ہلچل کے بعد جہنم اچانک اس طرح نمودار ہو جائے گی گویا وہ سرکشوں کا ٹھکانا بننے کے لیے اس ہلچل کی آڑ میں گھات ہی میں بیٹھی ہوئی تھی، نہ اس کے لیے کوئی تیاری کرنی پڑے گی اور نہ سرکشوں کو اس کی تیاری کے انتظار میں کوئی مہلت ملے گی۔

'لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا'۔ 'اَحْقَابٌ' کے معنی قرنوں کے ہیں۔ اس کی وضاحت قرآن میں جگہ جگہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ سے ہوگئی ہے یعنی وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ بعض لوگوں نے اس سے طویل مدت مراد لے کر یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ جہنم بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی لیکن یہ رائے غلط ہے۔ زبان کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مجمل کی شرح مفصل کی روشنی میں کرتے ہیں نہ کہ مفصل کی شرح مجمل کی روشنی میں۔ 'خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا' کے الفاظ ظاہر ہے کہ مفصل ہیں اور لفظ 'احقاب' مجمل۔ اس مجمل کو مفصل کی روشنی میں سمجھیں گے نہ کہ اس کے برعکس۔

علاوہ ازیں یہاں انجام باغیوں اور سرکشوں کا بیان ہوا ہے جس کے لیے قرآن کے دوسرے مقامات میں یہ تصریح ہے کہ ان کو جہنم سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

'لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۙ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا' : اس جہنم میں نہ ان کو کہیں ذرا ٹھنڈک نصیب ہوگی نہ کوئی پینے کی چیز۔ پینے کو ملے گا گرم کھولتا یا گندا پانی۔ لفظ 'غَسَّاقٌ' کی تشریح اہل لغت نے پیپ اور لہو سے بھی کی ہے اور گندے پانی سے بھی، ٹھنڈک کی یہاں مطلق نفی کی ہے۔ سورۂ مرسلات میں سایہ 'ظل' کا لفظ آیا بھی ہے تو وہ دھوئیں کا سایہ ہے جس کی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہ اس میں ٹھنڈک ہوگی نہ وہ شعلوں سے بچانے والا ہوگا۔

'جَزَآءً وِّفَاقًا' ۔ یعنی یہ جو کچھ انھیں ملے گا ٹھیک ان کے اعمال ہی کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔ دنیا میں جو کمائی انھوں نے کی اس کا انجام ان کے سامنے رکھا جائے گا۔ آخرت میں ہر نیکی اور بدی اپنی فطرت کے لحاظ سے پھل لائے گی اور وہی انسان کے سامنے آئے گا۔

'اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا' ۔ یعنی ان لوگوں کو کسی حساب کتاب کا اندیشہ نہیں تھا اس وجہ سے بالکل بےفکر رہے اور نہایت بےدردی سے ہماری آیات کو، جو اس دن سے آگاہ کرنے کے لیے سنائی گئیں جھٹلاتے رہے۔ 'كِذَّابًا' مصدر ہے جو تاکید فعل کے لیے آیا ہے۔ اگرچہ اس کا وزن مختلف ہے لیکن معنی میں یہ تکذیب ہی کے ہے۔ تاکید کے مضمون کو ظاہر کرنے کے لیے اگر ترجمہ یوں کیجیے کہ نہایت بےدردی یا نہایت بےباکی سے جھٹلایا تو اس کا صحیح مفہوم ادا ہو جائے گا۔

'وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا' ۔ یعنی وہ تو اس گمان میں رہے کہ نہ کوئی حساب ہے نہ کوئی سزا۔ لیکن ہم نے ان کی ایک ایک بات لکھ کر شمار کر رکھی تھی۔ لکھ کر شمار کرنا پورے اہتمام کی دلیل ہے۔ یعنی اس میں کسی سہو و نسیان کا کوئی امکان نہیں ہے۔

'فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِيۡدَكُمۡ اِلَّا عَذَابًا': یہ مستقبل کے ماجرے کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے حاضر کے اسلوب میں بدل دیا ہے۔ فرمایا کہ تم تو اس انجام سے بے فکر رہے لیکن یہ لو، اپنے اعمال کا مزا چکھو۔ ساتھ ہی مستقبل سے ان کو بالکل مایوس کر دینے کے لیے یہ آگاہی بھی سنا دی کہ اب آگے تمھارے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کی امید نہ رکھو۔ اب جو تبدیلی بھی تمھارے حال میں ہوگی اس کی نوعیت عذاب میں اضافے ہی کی ہوگی۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا ۙ حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ۙ وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ۙ وَّكَاۡسًا دِهَاقًا ؕ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۚ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (۳۱-۳۶)

قیامت سے ڈرنے والوں کا صلہ

سرکشوں اور باغیوں کے انجام کے بعد یہ متقیوں کا صلہ بیان ہوا ہے تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آ جائے۔ فرمایا بے شک ان لوگوں کے لیے اس دن بڑی فیروز مندی و کامیابی ہے جنھوں نے روزِ جزا و سزا سے ڈرتے ہوئے زندگی گزاری۔ یہ حقیقت یہاں ملحوظ رہے کہ زندگی کو جادۂ مستقیم پر استوار رکھنے والی چیز خوفِ آخرت ہی ہے۔ جس کے اندر یہ ہے وہ متقی ہے اور جس کا سینہ اس خوف سے خالی ہے اس کے اندر شیطان اپنا مسکن بنا لیتا ہے اور وہ خدا کی نافرمانی بالکل بے خوف ہو کر کرتا ہے۔

'حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا': یہ اس کامیابی کی تفصیل ہے کہ ان کے لیے باغ ہوں گے اور انگور۔ 'حَدَآئِق' معروف تو کھجور کے باغوں کے لیے ہے لیکن کھجور کے باغوں کے لیے عمدہ طریقہ یہ تھا کہ کنارے کنارے کھجوروں کی باڑھ ہوا اور بیچ میں انگوروں اور دوسرے پھلوں اور سبزیوں کے قطعات۔ یہاں 'حَدَآئِق' کے بعد 'اَعۡنَاب' کا ذکر عام کے بعد خاص کے ذکر کے طور پر ہے اور اس سے اگر انگورستان مراد لیں تو یہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔

'وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا': یہ حوروں کا ذکر ہے۔ ان کی تعریف میں فرمایا کہ یہ اٹھتی ہوئی جوانیوں والی اور باہم دگر بالکل ہم سن ہوں گی۔ ہم سنی آپس کی بے تکلفی، دل چسپی اور ہم طرحی و ہم مذاقی کے لیے ضروری چیز ہے۔

'وَّكَاۡسًا دِهَاقًا ؕ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا': یعنی ان کے لیے شراب خالص کے چھلکتے جام ہوں گے لیکن یہ شراب ان لغویات اور رلاف زنیوں سے بالکل پاک ہوگی، جو دنیا کی شراب کے لوازم میں سے ہیں۔ کیف و سرور میں وہ سب سے بڑھ کر ہوگی لیکن عقل و ہوش کو ماؤف نہیں کرے گی کہ ترنگ میں آکر آدمی یاوہ گوئی اور دروغ بافی پر اتر آئے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ شراب کی بدمستی میں بسا اوقات شرابی ایسی بے ہودہ تہمتیں بک دیتے ہیں جو خاندانوں اور قبیلوں میں مستقل عناد کا سبب بن جاتی ہیں۔ جن سوسائٹیوں میں غیرت کا احساس مردہ ہو جاتا ہے ان کے اندر تو اس طرح کی باتیں لوگ پی جاتے ہیں لیکن اہل عرب نہایت حساس و غیور تھے۔ شراب کی بدمستی میں بھی اگر کوئی زبان سے ایسا کلمہ نکال دے جس سے دوسرے کے ناموس پر حرف آتا ہو تو اس کے

نتائج اتنے دور رس ہوتے کہ ان کی تلافی ناممکن ہوجاتی۔ یہاں قرآن نے لفظ 'کِذّابًا' سے اسی طرح کی باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا۔ جس طرح اوپر کفار کے بارے میں فرمایا ہے: جَزَآءً وِّفَاقًا' ان کو ان کے اعمال کے بالکل ہم وزن اور ٹھیک ٹھیک ان کے موافق سزا ملے گی اسی طرح یہ اہل جنت کے باب میں فرمایا کہ ان کو ان کی نیکیوں کا پورے حساب سے صلہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اور اہل ایمان کے لیے فضل کا جو وعدہ ہے وہ مزید برآں ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (٣٧)

فرمایا کہ اہل ایمان کے لیے یہ صلہ (جو مذکور ہوا) اس خدائے رحمان کی طرف سے ہوگا جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری ہی چیزوں کا خداوند ہے، کوئی دوسرا کسی چیز میں اس کا شریک سہیم نہیں ہے کہ وہ کسی کو کچھ دے سکے۔

مزعومہ سفارشیوں کی نفی

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا۔ یہ کفار اور ان کے مزعومہ معبودوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ان کے معبودوں کو خدا کے ہاں بڑی رسائی ہوگی۔ یہ جو چاہیں گے خدا سے کہہ سکیں گے اور جو چاہیں گے منوا سکیں گے، یہ خیال بالکل باطل ہے۔ کوئی بھی مجاز نہ ہوگا کہ اس سے کوئی عرض معروض کر سکے۔ اس کے سامنے وہی زبان کھولیں گے جن کو اس کی طرف سے اجازت رحمت ہوگی اور وہی بات منہ سے نکالیں گے جو بالکل حق ہوگی۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (٣٨)

مشرکین کو سب سے زیادہ اعتماد فرشتوں کی سفارش پر تھا جن کو وہ اپنے زعم کے مطابق خدا کی بیٹیاں فرض کر کے پوجتے تھے۔ فرمایا کہ اس دن ان کا حال یہ ہوگا کہ جبریلؑ اور دوسرے ملائکہ رب العزت کے سامنے اس طرح صف بستہ حاضر ہوں گے جس طرح خدام اپنے آقا کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی زبان کھولنے میں پہل نہیں کرے گا بلکہ وہی بات کرنے کی جرأت کریں گے جن کو خدائے رحمان کی طرف سے اجازت رحمت ہوگی اور وہی بات کہیں گے جو بالکل ٹھیک ہوگی ـــــ یعنی اگر مشرکین اس خبط میں مبتلا ہیں کہ ان کے دیوی دیوتا خدا سے جو بات چاہیں گے ناز و تدلل سے منوا لیں گے اور ان کے حق میں جو سفارش چاہیں گے کر دیں گے تو یہ محض ان کی طمع خام ہے۔

یہاں روح سے مراد حضرت جبریلؑ ہیں۔ ان کے لیے قرآن میں یہ لفظ جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ ملائکہ کے گل سرسبد وہی ہیں اس وجہ سے ان کا ذکر سب سے پہلے ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ جب اس دن

جبریلؑ کا یہ حال ہوگا تو تا بہ دیگراں چہ رسد! بعض لوگوں نے اس کو عام ارواحِ انسانی کے مفہوم میں لیا ہے لیکن اس کا یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا (۳۹)

یہ براءتِ ذمہ کا اعلان ہے کہ لوگوں کو اس دن کی آمد سے آگاہ کرنا ضروری تھا سو یہ کام کر دیا گیا۔ اب لوگوں کی ذمہ داری اپنی ہے۔ فرمایا کہ جس دن کی آمد سے یہ ڈرایا جا رہا ہے وہ ایک امرِ شدنی ہے۔ وہ آ کے رہے گا۔ نہ کوئی اس کو ٹال سکتا، نہ کوئی اس دن کسی کے کام آنے والا بنے گا تو جو اپنی خیر چاہے وہ اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانا بنا لے۔

'فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا' سے ایک بات تو یہ نکلی کہ اس معاملہ میں اللہ اور رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دیا جائے۔ یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا خوف اتار بھی دیا جائے۔

دوسری بات یہ نکلی کہ اس دن پناہ صرف اللہ تعالیٰ ہی بنے گا، کسی اور کی پناہ اس دن کسی کو حاصل ہونے والی نہیں ہے۔

تیسری بات یہ نکلی کہ اللہ کو پناہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اس کی بتائی ہوئی راہ اختیار کی جائے۔ جس نے یہاں اس کی راہ نہیں اختیار کی وہ آخرت میں اس کی پناہ نہیں حاصل کر سکے گا۔

إِنَّا أَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (۴۰)

یہ آخری تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ ہم نے ایک ایسے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے جو بالکل قریب آ چکا ہے۔ یعنی رسول کی بعثت کے بعد اب قوم کا فیصلہ ہونا تو سنتِ الٰہی کے مطابق قطعی ہے اور یہ عذاب منکروں کے لیے عذابِ قیامت کا پیش خیمہ ہوگا۔ یوں بھی عذابِ قیامت کو دور خیال کرنا نادانی ہے۔ اس لیے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور جو مرا اس کی قیامت اس کے سامنے ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ۔

'وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا'۔ یعنی اس دن ہر شخص کے اعمال اس کے سامنے آئیں گے اور جنھوں نے اس دن کے لیے کوئی تیاری نہ کی ہوگی وہ اپنی محرومی اور بدبختی پر اپنے سر پیٹیں گے کہ کاش ہم مٹی ہی رہے ہوتے، ہمارا وجود ہی نہ ہوا ہوتا!!

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

رحمان آباد

۴۔ اپریل ۱۹۷۹ء

۶ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ